ترتیب وتنقیدِ مقاتل کی مہم

میراثِ مسلماں ہے سرمایۂ شبیریؑ

علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کاموںپوری

۶۱ھ میں کربلا کے شہیدوں کا پاک خون زمین پر گرتے ہی اس کی تاثیر کا اظہار ہونے لگا۔ اسی دن سے نئے دل اور نئے دماغ ڈھلنے لگے۔ فضا میں تغیر ہونے لگا۔ واقعہ کی تاثیر نے لاکھوں انسانوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ اس کی نشر واشاعت اور تشریح وتوضیح کے لئے لاکھوں انسانوں کی زندگیاں وقف ہوگئیں۔ مورخ، سیرت نگار، شاعر، ادیب مقرر وخطیب اور معلوم نہیں کہ کن کن ناموں سے حسینیت کے پروانے یاد کئے جانے لگے۔

شرکاءِ واقعہ کا تحفظ حسینیت میں حصہ

امام زین العابدینؑ ساری زندگی اس واقعہ سے مردہ قوم میں تازہ روح پھونکتے رہے۔ کربلا کی محترم خواتین نے، کوفہ وشام کے سفر میں اپنے خطبوں اور مرثیوں سے شہادت کے فلسفے کو دور دور تک پہنچایا۔ پسماندگان کی آہ آتشیں، ان کے دلگداز نوحے، ان کے رقت خیز واقعات، ان کی سوگوارانہ شام وسحر سے اس عہد کا سماج شعوری وغیر شعوری طور پر شدت سے متاثر ہوا۔ ستم کش وارثوں نے تبلیغی زبان میں اسرارِ شہادت، مقام شہادت اور رودادِ شہادت کے سلسلے میں بہت کچھ کہا۔

کربلا سے کوفہ وشام تک اسیروں نے شہادت کے پس منظر ومنظر کے ہر گوشے پر روشنی ڈالی۔ عقبہ بن سمعان خادم حضرت ربابؑ رفیقۂ حیات امام حسینؑ اور ضحاک مشرقی اور حسن مثنیٰ یہ سب واقعہ کربلا کے ترجمان کی حیثیت سے زندگی بھر چشم دید واقعات سامعین کے گوش گزار کرتے رہے۔

شہداؑ کے قبائل

کربلا کے شہیدوں نے اپنے قبائل کو لازوال عزت و نیک نامی کا وارث بنایا۔ ان قبائل میں واقعات کربلا کا برابر چرچا رہتا۔ یہ قبائل ان واقعات کو اپنی دستاویز فخر سمجھتے اور مناسب مواقع پر ان کا بار بار ذکر کیا کرتے۔ اسد، جعف، خزاعہ، خشعم، تغلب وغیرہ قبائل کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے افراد نے جرعہ شہادت نوش کر کے زندگیِ جاودانی حاصل کی۔

عزیزوں کے تاثرات

محمد بن حنفیہ۔ عبد اللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر کی تقریروں اور تحریروں نے اس سانحہ عظمیٰ کے بہت سے تاریخی اجزا کی حفاظت کی۔

قاتلوں کے بیانات

خود قاتلوں نے ابن زیاد و یزید کے درباروں میں انعام وصلہ وعزت وشہرت کے خیال سے مبالغہ کا رنگ بھر کر بیان کیا جس سے اصل حقیقت کا استنباط مشکل کام نہیں ہے۔

حکومت کے نامہ نگاروں نے حکومت کے ایما پر عوام کو خوف زدہ ومرعوب کرنے کے لئے واقعات عوام تک پہنچائے۔

توابین ومختار

سلیمان بن صُرد خزاعی۔ عبداللہ بن والی، رفاعہ بن شداد بجلی وغیرہ جب قاتلانِ امامؑ سے خونِ طاہر کا انتقام لینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو واقعۂ ہائلہ کربلا کو نظم ونثر میں بیان کرتے تھے اس طرح برابر واقعات کے بیان کی تکرار وتجدید ہوتی رہی۔

جس وقت مختارؒ قصاص خون شہداء کے لئے اٹھے تو انہوں نے بھی اس واقعہ کی انقلابی روح سے حوصلوں میں جان ڈالی۔ جب ان کی حکومت قائم ہوگئی اور قاتلوں کو گرفتار کرلیا تو ہر ایک

قاتل سے فرداً فرداً اس کا مخصوص جرم اس سے پوچھا۔ قاتلوں کی فہرست تیار کرائی۔ اس طرح خود قاتلوں کی زبان سے بھی مقتل شہداء تیار ہو گیا۔

بنی فاطمہؑ کے انقلابی نعرے

بنی امیہ و بنی عباس کی حکومتوں نے اولاد نبیؐ وعلیؑ و بنی فاطمہؑ پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ بنی فاطمہؑ کے صبر وضبط کا پیمانہ جب لبریز ہو جاتا تھا تو وہ سر ہتھیلی پر رکھ کر مدافعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس وقت وہ المیۂ کربلا کے سوز وتاثیر سے سامعین کے دلوں کو گرماتے تھے اور خود ان پر جو مظالم ہو رہے تھے ان کو کربلا کے مظالم سے جوڑ کر اپنی مظلومیت کی لرزہ خیز داستان سناتے تھے جس سے عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو جاتی تھیں اور واقعہ کربلا حماست وشجاعت وغیرت دینی وملی کی روح بن کر سننے والوں سے اپنا گہرا رشتہ عقیدت قائم کر لیتا تھا۔

زید بن امام زین العابدینؑ نے حکومت کے مظالم سے عاجز آکر جب انقلابی قدم اٹھایا تو ان کی دعوت کا نعرہ ''یالثارات الحسین''، تھا یعنی حسینؑ کے خون کے بدلے کے لئے اٹھو۔

مصر ویمن وطائف، ایران وغیرہ سے جو امامؑ کی نصرت کے لئے آنا چاہتے تھے لیکن موانع کی وجہ سے نہ آسکے۔ ان کا دل محرومی کے صدمہ سے ایک مجلس غم بنا رہتا تھا۔ مراثی یا محرومی کے تذکرے واقعہ ہائلہ کربلا کی تجدید کرتے تھے۔

امام زین العابدینؑ ذاکر غم حسینؑ

امام زین العابدینؑ نے ساری زندگی اسباب و مقاصد وروداد واقعۂ کربلا کے بیان کے لئے وقف کر دی تھی۔ امام محمد باقرؑ شہدائے کربلا کے غم منانے کی ترغیب دیتے تھے۔ خود اجمالاً یا تفصیلاً واقعہ کربلا کا متن بیان کیا کرتے، شعراء کو مرثیہ گوئی یا مرثیہ خوانی کی دعوت دیتے تھے۔ سدیفؔ، کمیتؔ وفرزدقؔ نے مرثیے کہے۔

واقعہ کربلا نعرۂ انقلاب بن گیا

اموی حکومت کے زوال میں واقعہ کربلا کے اثرات کا بڑا حصہ تھا۔ ۱۰ رمحرم کو انقلابی جھنڈے بلند کئے گئے۔ یہ جھنڈے سیاہ تھے۔ واقعۂ کربلا کے اکہتر سال بعد ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان حمار کی بیٹیاں جب عدیس خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے سامنے قید کر کے لائی گئیں تو صالح نے ان کے سامنے واقعۂ کربلا کا ذکر کیا اور بتایا کہ بنی امیہ نے اہل بیتؑ کی توہین میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ (مروج مسعودی)

ائمہ اہل بیتؑ نے بقاء و تجدید سانحہ کربلا میں بڑا کام کیا

امام جعفر صادقؑ نے واقعہ کربلا کے نشر واشاعت کی تنظیم میں اسے ایک ادارہ کی شکل دی۔ اس کے حدود قائم کئے۔ گھر میں مجالس کیں۔ شعراء کو مراثی پڑھنے کی دعوت دی۔ ابو عمارہ نشد، جعفر عفان، فقیل، سید اسمٰعیل حمیری وغیرہ نے امامؑ کا اشارہ پا کر المیہ شاعری اور عزائیہ ادب میں گرانقدر اضافہ کیا۔ امام رضاؑ نے اپنے عہد میں عزاداری کو بہت فروغ دیا۔ دعبلؔ خزاعی کے مراثی کی تخلیق آپ ہی کے عہد میں ہوئی۔

حکومتوں کے تشدد نے واقعۂ کربلا کی یاد دھانی کی

۶۱ھ سے ۲۶۰ھ تک ائمہؑ کا دور ظہور ہے۔ واقعۂ کربلا مختلف دور میں مختلف منزلوں سے گذرا۔ متوکل نے سخت تشدد سے کام لیا۔ لیکن بہلول دانا اور زید مجنون کو نہ روک سکے۔

آل بویہ اور فاطمین مصر کی کوششیں

واقعۂ کربلا مختلف ومتضاد ادوار سے گزرتا رہا۔ زیادہ تر سیاسی حالات ناسازگار ہی رہے۔ عرصہ کے بعد ۳۵۱ھ میں آل بویہ کا نیک دل و فدائے آل محمد بادشاہ معزالدولہ جب تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے المیۂ کربلا کو سرکاری غم قرار دیا اور عاشور کو ریاست میں سب کاروبار بند کرا دیئے۔ سیاہ لباس میں سڑکوں پر ماتمی جلوس نکالا۔

مصر میں بنی فاطمہ نے بھی اس واقعہ کی اشاعت میں کافی

دلچسپی لی۔ کئی سو سال تک مصری آبادی دیارِ مصر کے اشرف دور میں ایامِ عزا میں نوحہ و ماتم کی گونج سنتی رہی۔

مقاتل نویسی کا آغاز، تاریخ میں نمایاں جگہ

واقعہ کربلا نے اپنے آغاز ہی میں عوام وخواص کے حافظے میں اپنی جگہ بنالیا اور اس کی جڑیں تاریخ میں اس قدر واضح ہوگئیں کہ اس کو نظر انداز کردینا ناممکن ہوگیا۔ ماہر تاریخ مقاتل نویسی کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اسبغ بن نباتہ مجاشعی حضرت علیؑ کے مقرب ومخلص صحابی تھے۔ انہوں نے ''مقتل حسینؑ'' لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ عرصہ دراز سے اس کا پتہ نہیں ہے۔ ابومخنف ازدی غامدی (لوط بن یحییٰ بن سعید بن سلیمان) نے امام محمدؑ باقر علیہ السلام کے زمانے میں تفصیلی مقتل لکھا جس کے قلمی نسخے مختلف مقامات پر پائے جاتے ہیں اور جس کا اکثر حصہ طبریؒ نے اپنی تاریخ میں محفوظ کرلیا ہے۔ میں نے بھی اسے مختلف قدیم مصادر سے جمع کرنے کی کوشش کی ہے رائج مقتل ابومخنف جس کا اردو میں ترجمہ ہوگیا ہے قابل اعتبار نہیں ہے۔

ابومخنف نے کتاب المختار بن ابی عبیدہ ثقفی بھی لکھی ہے دوبارہ قدیم مصادر سے مرتب کیا جاسکتا ہے۔ نصر بن مزاحم منقری ابوالفضل ماہر تاریخ و مغازی نے کتاب مقتل الحسینؑ لکھی۔ غالباً اس کا کہیں کوئی مخطوطہ نہیں ہے۔ ابراہیم بن محمد بن سعد بن ہلال بن عاصم بن سعد بن مسعود ثقفی کوفی (۲۸۲ھ) نے کتاب مقتل الحسینؑ لکھی۔

کتاب التوابین اور کتاب اخبار یزید بھی لکھی۔ ابواحمد بن یحییٰ بن احمد بن عیسیٰ بن عبدالعزیز جلودی بصری نے تیسری صدی ہجری میں کتاب ''ذکر الحسینؑ''، کتاب مقتل الحسینؑ۔ کتاب التوابین و کتاب اخبار المختار لکھی۔ ابوعبداللہ محمد بن زکریا ابن دینار بصری (۲۸۹ھ) نے کتاب مقتل الحسینؑ لکھی۔

ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق نہاوندی (موجود ۲۶۹ھ) نے کتاب مقتل الحسینؑ لکھی۔ قدیم تاریخوں میں ان کے کہیں کہیں ذکر ملتے ہیں لیکن ان کے کسی مخطوطہ کا ابھی تک کہیں علم نہیں ہوا۔

مقاتل تیار کرنے کی مہم

مسلمانوں نے یا غیر مسلموں نے صدر اسلام کی تاریخ پر جب بھی قلم اٹھایا ہے کم وبیش واقعہ کربلا پر ضرور لکھا ہے۔ ہر صدی میں علمائے تاریخ اسلام نے دنیا کے مختلف حصوں میں جب بھی اسلام کے عہد اول کی تاریخ لکھنے بیٹھے تو اس واقعہ پر بھی لکھتے رہے اس طرح ہر دور میں اس واقعہ کی تکرار ہوتی رہی۔ طبریؒ، ابن اثیرؒ، مسعودی، ابن قتیبہ دینوری، یعقوبی وغیرہ وغیرہ سے واقعہ کربلا محفوظ کرلیا گیا ہے۔ کسی نے اس کے اسناد بھی کہے ہیں۔ جن لوگوں نے تاریخ میں اسناد کا التزام نہیں کیا ہے انہوں نے صرف واقعات درج کئے ہیں۔ جن لوگوں نے سلسلہ اسناد بھی درج کئے ہیں ان کی کتابوں سے ان مختلف اشخاص کے مقاتل تیار کئے جاسکتے ہیں جو اس واقعہ کے راوی ہیں۔ بعض مقاتل کافی ضخیم ہوں گے بعض متوسط اور بعض مختصر۔ سیاست اور اختلاف نظر کی وجہ سے اگر ہر صدی میں واقعہ کے بیان میں کوئی تصرف ہوا ہے یا غلطی سے تصحیف ہوگئی ہے آج اس کی تنقید وتصحیح بھی ہوسکتی ہے۔ اصل کتابوں میں واقعہ کے مطالعہ میں دشواری ہوسکتی ہے۔ ہر شخص عربی نہیں جانتا یا عربی جانتا ہے تو قوت تنقید اتنی نہیں ہے کہ رطب و یابس الحاق وتحریف میں فرق کرسکے۔ نئے مقاتل سے مواد پوری تنقیح وتنقید ودرایت کے ساتھ سامنے آئے گا اور ہر دور کی سیاست اور انداز فکر کا جائزہ بھی ہوسکے گا۔ میں نے بہت سے مقاتل تیار کئے۔ بعض شائع بھی ہوگئے جیسے مقتل یعقوبی (ابن واضح) مقتل الحسین علامہ سیوطی، مقتل دیار بکری وغیرہ۔ طبری و ابن اثیر کے مقاتل نسبتاً ضخیم ہیں۔ اگر یہ چھپ جائیں اور ان کو تنقید ودرایت کے ساتھ پبلک میں لایا جائے تو واقعہ کے بہت سے اہم گوشے سامنے آجائیں۔

جن لوگوں نے واقعہ کربلا پر کوئی کتاب تو نہیں لکھی تھی لیکن اس کثرت سے اس پر اظہار خیال کیا ہے کہ اگر ان کو مختلف مصادر سے جمع کرلیا جائے تو بہت سے مقاتل تیار ہوسکتے ہیں اور واقعہ

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۷ پر۔۔۔۔۔۔۔۔)

کے روکے گی نہیں۔

حالانکہ جس طرح پردہ میں یہ مضرت جسمانی کا پہلو ہے اسی طرح حفظان صحت کا پہلو بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ سڑکوں پر، راستوں میں ، گلیوں میں اور بالخصوص سینماؤں اور تھیٹروں میں جہاں بھیڑ ہوتی ہے کھوئے سے کھوا چھلتا ہے اور ہر طرح کے لوگ پاس پاس بیٹھے ہیں نہ جانے کتنی قسم کے امراض کے مبتلا لوگوں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ کتنوں سے بات چیت ہوتی ہے۔ کیسے کیسے اشخاص کے پاس بیٹھنا ہوتا ہے اور مختلف طرح کے جراثیم ہوا میں تنفس اور تکلم کے ذریعہ سے جسم تک پہنچنے کے امکانات ہوتے ہیں اور ان جراثیم کی مضرتوں سے عورتیں پردہ کی پابندی کی وجہ سے زیادہ محفوظ رہ سکتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ پردہ کے رواج کو چودہ سو برس کے قریب ہو چکے پھر بھی مسلمانوں میں عورتوں کی مردم شماری کا تناسب مردوں سے زیادہ ہی رہا جس کی وجہ سے ایک ایک مرد کو چار عورتوں تک شادی کرنے کی اجازت کا نفاذ رہا اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بڑی پردہ کی پابند عورتیں بھی اسّی اور نوّے یا اس سے زیادہ کی عمر تک پہنچتی رہی ہیں۔ جبکہ موجودہ زمانہ میں جو بہ نسبت پہلے کے اوسط کے لحاظ سے بہت سی مسلمان عورتوں میں بھی آزادی پیدا کر چکا ہے۔ عمروں کی مقدار بہ نسبت پہلے کے گھٹ گئی ہے۔

یہ پردہ کی برکت نہیں بلکہ موجودہ زمانہ کے حفظانِ صحت کے اصول سے گھرے ہوئے مگر غیر فطری ماحول اور مصنوعی زندگی کی برکت ہے۔ جس کی وجہ سے مردوں کی عمر طبعی بھی پہلے کی بہ نسبت گھٹ گئی۔ پھر عورتوں کی عمر کا گھٹنا پردہ کا نتیجہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ پردہ کے خلاف جتنے اعتراضات ہیں وہ سب بالکل غلط ہیں عقلی حیثیت سے پردہ مستحسن اور شرعی حیثیت سے لازم ہے اور مسلمان عورت کے لئے مذہبی طور پر اس کی پابندی بہرحال ضروری ہے۔

☆☆☆

(سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۸۴۸، دسمبر ۱۹۹۶ء)

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

کی بہت سی حقیقتیں ابھر سکتی ہیں جن سے ابھی لوگ ناواقف ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں مقتل عقبہ بن سمعان اور مقتل ضحاک مشرقی تیار کیا تھا اور دونوں شائع بھی ہو گئے ہیں یہ واقعہ کربلا کے عینی گواہ تھے اور محب اہل بیتؑ تھے۔ عراق وایران اور ہندوستان کے اہل نظر میں انہیں دلچسپی سے پڑھا یا گیا۔ میں مقتل الحسینؑ امام زین العابدینؑ، مقتل حضرت زینبؑ مقتل فاطمہ کبریٰؑ، مقتل امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ و مقتل الحسینؑ امام رضاؑ، مقتل الحسینؑ امام مہدیؑ منتظر واقعہ کربلا کے سلسلے میں ان کے بیانات جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن عوام کی باہمی آویزش نے ان کو کسی ضرورت کے احساس کے قابل نہیں رکھا ہے۔ بہت ضروری اور اہم کام جو اس صدی کے تقاضے تھے زاویہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اگر مورخین کی کتابوں سے مقاتل تیار کرنے اور نئے مقاتل ترتیب دینے کی مہم کی قدر و قیمت کو محسوس کیا جاتا اور یہ کام ہو جاتا۔ تاریخ وادب اور ذکر و بیان مراثی وخطابت کو وہ قوت و جلا ملتی جس کا اندازہ اندھیرے میں نہیں کیا جا سکتا۔

اگر تیرہ سو سال کے اندر جو مقاتل لکھے گئے یا تاریخوں میں جو مواد ہے اس پر نظر ثانی نہیں کی جائے گی اور درایت وتنقید کی مدد سے نئی کتابیں منظر عام پر نہیں آئیں گی تو غلطیوں کا لامتناہی سلسلہ جاری رہے گا۔

[ماخوذ از ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ محرم نمبر فروری ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۶۱ / تا ۱۶۴]

۞۞۞